اسے زہرۃ کہا جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ ان کی طرف گدھے پرسوار ہوکر گئے جس کی باگ کھجور کی چھال سے بنی ہوئی تھی آپ ﷺ نے انہیں کعب بن الاشرف کے لئے آہ وبکاہ کرتے ہوئے پایا انہوں نے کہا ہمیں چھوڑ دیں ہم اپنے حبیب پر رورہے ہیں اس کے بعد اپنا حکم دیجئے گا۔تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا مدینہ سے نکل جاؤ انہوں نے کہا موت اس سے زیادہ ہمیں عزیز ہے اور لڑائی کے لئے تیار ہوگئے اور انہوں نے اپنے لوگوں کو لڑائی کے لئے پکارا۔مروی ہے کہ انہوں نے سامانِ سفر کے لئے دس دن کی مہلت مانگی۔عبداللہ بن اُبیّ منافق اور اسکے ساتھی منافقین نے مکاری کی۔انہوں نے انہیں (بنونضیر) کو دھوکا دیا اور کہا قلعہ سے باہر مت نکلو۔اگر تم لڑوگے تو ہم بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے اور تم نکلو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے نکل جائیں گے۔المختصر انہوں نے لڑائی پر خوب اُکسایا۔پس انہوں نے جنگ کی تیاری کرتے ہوئے جگہ جگہ رکاوٹیں قائم کیں اور انہیں مضبوط بنایا۔پھر فوج کو جمع کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا اور کہا کہ اپنے اصحاب میں سے (۳۰) لے کر آئیں اور ہمارے بھی تیس بندے نکلیں گے تاکہ وہ آپ کی (بات) سن سکیں پس اگر تصدیق کردیں تو ہم سب ایمان لے آئیں گے پس ایسا ہوا تو وہ کہنے لگے آپ اپنے تین آدمی لائیں اور ہم اپنے تین بندے لاتے ہیں آپ کی طرف۔تو انہوں نے ایسا کیا اور دھوکہ دیا۔ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے اور ان کا ارادہ اچانک حملہ کرنے کا تھا۔ان کے درمیان ایک عورت تھی جو ان کی سازش سے واقف تھی وہ ڈرگئی اور اس نے ایک شخص کے ذریعہ اپنے بھائی کو بلایا وہ مسلمان تھا اس کو اس نے ان کے ارادے سے آگاہ کردیا وہ شخص سرعت سے رسول اللہ ﷺ کی طرف گیا اور ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے انہیں مطلع کردیا پس صبح سویرے رسول اللہ ﷺ لشکر لے کر وارد ہوگئے اور کہا اللہ کی قسم تم لوگ میرے پاس نہیں رہ سکتے ہو مگر معاہدہ کے ذریعہ، تم مجھ سے اس پر عہد و پیمان کرو وہ کہنے لگے کہ وہ عہد کرتے ہیں۔ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے آپ ﷺ نے اسی دن ان سے جنگ کی۔پھر دوسری صبح بنی قریظہ پر لشکرکشی کی اور بنی نضیر کو چھوڑ دیا۔آپ نے ان سے کہا کہ معاہدہ کریں پھر آپ وہاں سے واپس لوٹے۔دوسری صبح آپ بنی نضیر پر لشکر کے ساتھ وارد ہوئے (۲۱) راتیں ان کا محاصرہ کئے رکھا۔اللہ نے ان کے دل میں رعب ڈالدیا منافقوں نے ان کی مدد کرنے سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھا اور قریظہ بھی ان سے باز آیا ابن ابی اور اس کے بنوعظمان میں سے پیروکاروں نے انہیں ذلیل ورسوا کردیا۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو صلح کا پیغام بھیجا۔آپ ﷺ نے سوائے ان کی جلاوطنی کے دوسری بات ماننے سے انکار کردیا۔جلاوطنی بھی مشروط تھی کہ تین گھر ایک اونٹ پر لاد کر جائیں گے۔وہ اریحا اور اذرعات کی طرف جلاوطن ہوگئے جو شام کے قصبات تھے۔سوائے ان کے دو گھر والوں کے یعنی آل ابی الحقیق اور آل حیّ بن خطب۔وہ خیبر پہنچ گئے اور ایک گروہ حیرہ چلا گیا۔آپ ﷺ نے ان کے اموال اور ہتھیار بحکم الٰہی ضبط کرلئے جن میں پچاس ذرعیں اور پچاس بیضہ خود اور تین سو چالیس تلواریں شامل تھیں۔مورخوں نے بیان کیا ہے کہ بنی نضیر ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے موسیٰؑ کی نافرمانی کی تھی جب انہوں نے عمالیق کے بادشاہ کے بیٹے کے قتل کا حکم دیا تھا۔انہوں نے اس کو اس کے حسن وعقل کی وجہ سے چھوڑ دیا۔اور اس کی وجہ سے فتنے میں پڑگئے۔اور جب شام لوٹے تو انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰؑ فوت ہوگئے ہیں پس بنونضیر کی بنی اسرائیل نے مزاحمت کی۔اور ان سے کہا

تم نافرمان لوگ ہو ہمارے شہروں میں (ملک) مت داخل ہو۔ پس یہ حجاز کی طرف چلے گئے۔ اور اس ملک بدری سے محفوظ ہو گئے۔ جو بخت نصر نے بنی اسرائیل پر مسلط کی۔ اور پھر اللہ نے ان کی سرکشی و نافرمانی کی وجہ سے ان پر ملک بدری مقدر کر دی۔ پس رسول اللہ نے مدینہ سے نکال باہر کیا۔ یہ ان کے قصہ کا آخر ہے۔ اللہ کا یہ ارشاد "من دیارھم" اخرج سے متعلق ہے اور من اھل کتاب محذوف کے متعلق ہے یعنی کائنین من اھل کتاب اور "حشر" سے مراد اجتماع ہے۔ اور اول الحشر سے مراد خیبر کی طرف بنی نضیر کی اپنے قلعوں سے جلاوطنی ہے اور خیبر سے شام کی طرف ان کا اخراج ہے "آخر الحشر" سے مراد وہ عرصۂ محشر ہے جہاں کل انسان جمع ہوں گے اور کلبی نے کہا کہ جزیرۃ العرب سے جلاوطن کئے جانے والے پہلے اہل الذمہ (ذمّی) بنو نضیر تھے اور یہی جمہور مفسرین کی رائے ہے۔ الحسن البصری نے بھی کہا ہے کہ اہل کتاب سے مراد بنو قریظہ ہیں اور یہ قول شاذ ہے کیونکہ نہ تو وہ جمع کئے گئے اور نہ ہی ملک بدر ہوئے۔ بلاشبہ سعد بن معاذؓ کے حکم سے قتل کئے گئے جب وہ ان کے بارے میں انؓ کے فیصلہ سے راضی ہوئے یعنی کہ ان کے حربی گروہ (لڑنے والے) کو قتل کیا جائے ان کی نسل و اولاد کو قید کیا جائے۔ ان کی اموال کو مال غنیمت بنایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سعدؓ کے بارے میں کہا کہ تم نے ساتوں آسمان کی حکمت کے مطابق فیصلہ دیا۔ **مَا ظَنَنْتُمْ** (ترجمہ:۔ تم نہیں سمجھتے تھے) یعنی اے مسلمانو۔ **اَنْ يَّخْرُجُوْا** (ترجمہ:۔ کہ وہ نکل جائیں گے) یعنی بنی نضیر اپنی بستیوں اور اپنے اوطان سے نکل جائیں گے۔ کیونکہ وہ بڑے مالدار لوگ تھے اور مضبوط گڑھیوں والے تھے اور مضبوط قلعوں، زرعیں، کھجوروں کے باغات کے مالک تھے۔ کثیر تعداد میں تھے اور مسلح تھے۔ **وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔ اور خیال کرتے تھے کہ ان کو مضبوط گڑھیاں اللہ سے بچائیں گی۔ وہ اپنے قلعوں کی مضبوطی پر یقین کر رہے تھے اور یہ کہ وہ انہیں بچالیں گے۔ جبکہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اللہ کے جنود سے ان کے پختہ اور مضبوط قلعے اور ان کے غرور و تکبر کے پہاڑ انہیں نہیں بچاسکیں گے **فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا** (ترجمہ:۔ پس اللہ کا حکم ان پر ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو شان و گمان بھی نہ تھا۔) یعنی حکم الٰہی ان پر آ پہنچا اس مقام سے کہ وہ ان کے دل میں خیال بھی نہ گذرا تھا کہ وہ اس جہت سے آسکتا ہے۔ اور اس سے مراد ہے ان کے رئیس کعب بن اشرف کا قتل، پس اس سے ان کے دلوں میں کمزوری پیدا ہو گئی ان کی شوکت ضعیف پڑ گئی ان کی پشت ٹوٹ گئی اور ان کا رعب داب بکھر گیا۔ **وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ** (ترجمہ:۔ اور اس نے (اللہ) ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا) یعنی بنو نضیر کے قلوب میں۔ اور رعب یعنی خوف۔ اور رعب سے مراد وہ دہشت ہے جو اللہ نے کافروں کے دلوں میں اپنے نبی ﷺ کی نصرت کی خاطر ڈال دی۔ اور حدیث میں آیا نصرت بالرعب مسیرہ شہر میری مدد کی گئی ہے رعب کے ذریعہ ایک مہینے کی مدت کے فاصلہ کے دوری تک یعنی نبی ﷺ کے دشمن اس مسافت کی حد تک تھے اور اللہ نے ان کے دلوں میں آپ ﷺ کا خوف ڈال دیا تھا۔ پس وہ آپ ﷺ سے ہیبت کھانے لگے۔ اور دہشت زدہ ہو گئے۔ **يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ** (ترجمہ:۔ اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں کو اجاڑنے لگے) یہ اس وجہ سے کہ جب انہیں (جلاوطنی کا) یقین ہو گیا تو وہ مومنوں سے حسد کرنے لگے کہ وہ ان کے مکانوں میں سکونت اختیار کریں گے اس لئے وہ انہیں

اندر سے اجاڑنے لگے۔ **وَاَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ** (ترجمہ:۔اور اہل ایمان کے ہاتھوں) یعنی مسلمانوں کے گھروں کو باہر سے اجاڑ رہے تھے۔تا کہ وہ ان میں داخل ہوں۔جمہور نے یخربون بالتخفیف پڑھا ہے۔اور تشدید سے بھی پڑھا گیا ہے۔ابوعمرو نے کہا میں نے تشدید والی قرأة کا انتخاب کیا کیونکہ "اخراب" کے معنی ہیں ترک الشئی خراباً (کسی چیز کو ویران کرنے کو کہتے ہیں) اور خربوھا "ھدم" سے اور تخربوا کے معنی ہیں یھدمون۔یعنی مسلمان انہیں (مکانات) منہدم کر رہے تھے۔اس لئے ضروری ہے کہ اسے تشدید کے ساتھ پڑھا جائے۔اور اسی طرح ابوعبدالرحمٰن سلمی اور حسن بصری نے پڑھا۔علامہ طبری نے کہا میرے نزدیک دونوں قراءتوں میں اولی اس کی قراءت ہے جس نے اسے تخفیف سے پڑھا۔آپ نے پھر فرمایا کہ بعض کلام عرب کی معرفت رکھنے والوں نے کہا۔ تخریب اور اخراب کے ایک ہی معنی ہیں۔یہ لفظی اختلاف ہے۔معنوی اختلاف نہیں ہے۔اور سیبویہ نے کہا فعلت اور افعلت کے معنی ایک دوسرے کی پیروی کرنے والے ہیں۔جیسا کہ اخربتہ اور خربتہ افرحتہ اور فرحتہ ۔ابوعبید اور ابوحاتم نے پہلے معنوں کو اختیار کیا۔اور زہری نے کہا کہ اس کے معنی ہیں یخربون بیوتھم بنقص المعاھدۃ (وہ اپنے گھروں کو اجاڑتے ہیں عہد شکنی کی وجہ سے) اور "ایدی المومنین" کے معنی ہیں "بالمقاتلة" یعنی جنگ کے ذریعہ۔اور ابوعمرو نے کہا "بایدھم" ان کا اپنے گھروں کو چھوڑنا ہے اور "بایدی المومنین" ان کی جلاوطنی کی وجہ ان کو غیر آباد کر دینا ہے۔اور یہ جملہ یا تو حال ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے یا جو کچھ انہوں نے کہا اس کے بیان کے لئے۔(نیا) مستانفہ ہے۔ **فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ** (ترجمہ:۔پس آنکھ والو عبرت پکڑو) یعنی نصیحت حاصل کرو۔اور قرآن میں اس کی حکمت اور احکام پر غور و فکر کرو۔اے عقلمندو اور اے اہل فکر اسی لئے کہ اعتبار' عبرت حاصل کرنا اشیاء میں دیکھنا تا کہ اس کے جنس میں دوسرے معنی حاصل کئے جائیں۔اور علماء نے کہا کہ یہ قیاس کے جواز کی دلیل ہے۔

(۳) **وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ** (ترجمہ:۔اور اگر اللہ نہیں لکھتا) یعنی نہیں ثابت کیا ہوتا **عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ** (ترجمہ:۔ان میں جلاوطنی کو) یعنی ان کے وطنوں سے ان کا اخراج۔ **لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا** (ترجمہ:۔یقیناً دنیا کا عذاب انہیں دیتا) یعنی قتل اور اسیری کے ذریعہ جیسا کہ اسی نے بنی قریظہ کے ساتھ کیا۔ "جلاء" سے مراد قوم کی ان کے گھروں اور ان کی اموال سے ان کی عورتوں اور بچوں کے سمیت علیحدگی اور اخراج کا لفظ اس سے زیادہ عام ہے۔کہا جاتا ہے جلاء یعنی دربدری توراۃ کی آیات کی رو سے ان پر مقدر کر دی گئی تھی۔اور یہ انہیں کی اولاد تھے جنہیں جلاوطنی رسول اللہ ﷺ کے ان پر تسلط سے قبل نہیں نصیب ہوئی تھی۔ابن شہاب نے کہا کہ مجھے عروۃ بن زبیرؓ نے خبر دی تھی کہ یہ بنی نضیر پر جو یہود کا گروہ تھا بدر کے چھ مہینے بعد وارد ہوئی۔ **وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ** (ترجمہ:۔اور آخرۃ میں ان کے لئے آگ کا عذاب ہوگا) یہ نیا جملہ ہے (مستانفہ) "لولا" کے جواب سے غیر متعلق ہے اور جو کچھ آخرۃ میں وہ پائیں گے اس کا بیان ہے۔

(۴) **ذٰلِكَ** (ترجمہ:۔یہ) یعنی دنیا میں ان کی جلاوطنی اور آخرۃ میں ان کے لئے عذاب کا جو ذکر گذر چکا ہے۔ **بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** (ترجمہ:۔اس وجہ سے ہے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالف کی تھی) روگردانی' کفر اور نقص

عہد (عہد شکنی) کے ذریعہ وَمَنْ يُّشَآقِ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (ترجمہ:۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ سزا دینے میں شدید ہے) یہاں مشاقۃ اللہ (اللہ کی دشمنی کے ذکر) پر اقتصار کیا اور یہ اصل مشاقۃ رسول (رسول کی مخالفت) ہے۔ اور ان کی مخالفت بعینہ اللہ کی مخالفت ہے۔ جیسا کہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (النساء ۸۰) پس جس طرح اطاعت رسول ﷺ کی اللہ کی اطاعت ہے اس طرح رسول کی مخالفت بعینہ اللہ کی مخالفت ہے۔ یہ اس لئے بھی کہ اللہ کی مخالفت مخالفت رسول ﷺ سے ظاہر ہوتی ہے بلاشبہ وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہیں اور وہ مبلغ ہیں اللہ کے احکام کے ان کی طرف۔ جمہور نے کہا کہ قراء نے یشاق ادغام کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کے ادغام کے بغیر بھی پڑھا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا

(۵) مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (ترجمہ:۔ (عمدہ قسم کے) کھجوروں کے درختوں میں سے جو کچھ تم نے کاٹ ڈالے یا انہیں جڑوں پر قائم (کھڑا) چھوڑ دیا۔ یہ اللہ کی اجازت سے تھا)۔ مجاہد نے کہا کہ بعض مہاجرین نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے تھے اور منع کرنے والوں نے کہا وہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہیں اور جنہوں نے ان کو کاٹا تھا انہوں نے کہا یہ دشمنوں کو غیظ و غضب دلانا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ انہوں نے ان کے کھجوروں کے درخت جلا دئے اور ان کو جڑوں سے کاٹ دیا۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ انہوں نے ایک درخت جلا دیا تھا اور ایک کاٹ ڈالا۔ یہاں تک کہ بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ کیا اپنے آپ کو نبی نہیں سمجھتے کہ جس کا زمین پر بھلائی کے علاوہ کچھ اور ارادہ نہیں ہے۔ کیا کھجور کے درختوں کو کاٹنا' درختوں کو جلانا اصلاح میں سے ہے۔ اور کیا آپ پر اللہ نے فساد کا مباح نازل کیا ہے۔ پس یہ رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گذرا اور مسلمان بھی ملول و رنجیدہ ہو گئے۔ پس اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ لینۃ کے معنی میں اختلاف ہے۔ اصمعی نے کہا یہ ردی کھجور ہے۔ اور خلیل نے کہا عجوہ کے علاوہ ہر کھجور ہے۔ اور یہ زہری اور مالک اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ اور ابو عبید نے کہا یہ عجوہ اور برنی کے علاوہ ہر قسم کے پھل ہیں۔ اخفش نے کہا یہ اللون سے مراد الدقل ہے جو کہ کھجور کی ایک نوع ہے اور یہ جمع ہے اس کا واحد لونۃ اور اس سے پہلے زیر لگ جائے تو واؤ یاء میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پس یہ لینۃ ہو گیا۔ فراء نے کہا کھجور کی ہر قسم سوائے عجوہ کے لین کی قسم ہے۔ جس کا واحد لینۃ ہے اور صاحب کشاف نے وہی اختیار کیا جو ابو عبید نے کہا۔ اور کہا ہے کہ "لینۃ" "عمدہ کھجور" تھے گویا کہ انہوں نے اسے "لین" سے مشتق کیا ہے۔ ذوالرمۃ کا شعر ہے۔

كانّ قتودى فوقها عش طائر على لينة سوقاء تهفوا جنوبها

اور جمہور نے "قائمۃ" پڑھا ہے۔ لیکن عبداللہ' اعمش' زید بن علی نے "قوما" پڑھا ہے وزن فعل پر ضرب کی طرح یہ جمع ہے قائم کی اسے اسم فاعل بھی پڑھا گیا۔ پھر اسے مذکر لایا گیا لفظ 'ما' پر۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ نے پڑھا۔ "ولا ترکتم قوما عل اصولها" یعنی قائمه علی سوقها "علی اصلها" بھی پڑھا گیا ہے۔ اور بخاری اور مسلم میں ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور جلوا دئے اور کٹوا دئے اور یہ کھجور بویرہ کھجور تھی۔ (یہاں مفسر علامؒ نے اس ضمن میں حسانؓ ' ابوسفیان الحارث اور محمد بن

اسحاق کے عربی اشعار پیش کئے ہیں جو خوف طوالت ترک کر دیئے گئے) ابن کثیر نے کہا کہ امام بخاری نے امام زہری سے اور انہوں نے عروہ سے روایت کی ہے کہ بنو نضیر کا واقعہ بدر کے چھ مہینے کے بعد ہوا۔ **وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ** (ترجمہ:۔اور یہ اس لئے کہ اللہ نافرمانوں کو ذلیل ورسوا کرے) یعنی اطاعت سے خارج لوگوں کو ذلیل کرتا ہے اور وہ ''یہود'' ہیں۔ زجاج نے کہا اس کے معنی ہیں کہ وہ قسم کھلائے انہیں ان کے اموال کو اہل ایمان جیسا چاہیں تصرف کریں انہیں کاٹے یا چھوڑے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کافروں کے مضبوط قلعوں پر کوئی ممانعت نہیں۔ انہیں گرایا جائے یا جلایا جائے۔ اور ان پر منجنیق (جمع مناجیق) داغیں جائیں اور اس طرح درخت کاٹنا وغیرہ کا معاملہ ہے۔ یہ آیت کریمہ مجتہدین کی رائے پر دلالت کرتی ہے۔

(۶) **وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ** (ترجمہ:۔ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان (کے مال میں) سے نکال کر لوٹا دیا۔) یعنی جو کچھ اللہ نے لوٹایا اپنے دین والوں کو ان لوگوں کے مال میں سے جنہوں نے اس کے دین کی مخالفت کی بغیر جنگ و جدال' بغیر لشکر کشی یعنی وہ ہرگز نہیں لڑے نہ مبارزہ (فرداً فرداً) اور نہ ہی مصادلہ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی دھاک بٹھا دی پس اللہ نے اپنے رسول کو ان کا مال لوٹا دیا ہے۔ پس اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا مال کھجوروں وغیرہا تقسیم کر دیا۔ مختلف وجوہ میں جو اللہ نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ ان میں اسے تقسیم کر دو۔ عمر بن خطابؓ نے کہا ہتھیاروں اور گھوڑوں' خچر' گدھے وغیرہ میں سے جو بچا وہ اللہ کے راستے میں دیدیا۔ ضحاک نے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے تھا۔ آپ نے اس میں مہاجرین کو ترجیح دی اور انصار کو کچھ نہیں دیا سوائے ابودجانہ' سہل بن حنیف' حارث بن صمہ کے ان کے فقر و تنگدستی کی وجہ سے۔ **فَمَآ** (ترجمہ:۔ پس نہیں) نافیہ **اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ** (ترجمہ:۔ دوڑائے تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو اس کی طرف) وجف یعنی رفتار کی تیزی۔ اور جف البعير والفرس وجفا یعنی اسرع' اسراعا اور وجیف معمول کی رفتار کے علاوہ ایک قسم کی چال۔ جوہری نے کہا کہ وجیف اونٹ اور گھوڑوں کی چال کی ایک قسم ہے۔ اور ایسا ہی ازہری نے کہا اور رکاب سے مراد اونٹ ہیں اور معنی یہ ہیں تم نے مال اور اس غنیمت کے حصول کے لئے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ اور نہ ہی اس پر قتال کی مشقت اٹھائی۔ بلکہ تم اس کی طرف اپنے قدموں پر گئے اس لئے کہ یہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ **وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ** (ترجمہ:۔ بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو مالک بنا دیتا ہے جس پر وہ چاہتا ہے) یعنی جو کہ اللہ نے اپنے رسولوں کو بنی نضیر کی اموال میں سے عطاء کیا اس کی طرف نہ تم نے سرعت کی اور نہ ہی تم نے جنگ و جدل سے اسے حاصل کیا۔ بلکہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو ان پر اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس پر قابض کر دیا۔ جیسا کہ وہ اپنے رسولوں کو اللہ کے دشمنوں پر غالب کرتا ہے۔ پس وہ یہ مال تقسیم نہیں کرتا جیسا کہ مال غنیمت کیا جاتا ہے۔ جن پر قتال کیا جاتا ہے اور غلبہ وطاقت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ** (ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے) یعنی اللہ رسول اللہ ﷺ کی مدد اور کفار کی جلاوطنی پر قادر ہے۔

(۷) **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى**

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (ترجمہ:۔اللہ جو کچھ بستیوں والوں سے اپنے رسول کو (بطور مال غنیمت) دلواتا ہے وہ اللہ کے لئے رسول کے لئے، قرابت داروں کے لئے، یتیموں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہوتا ہے) مفسروں کا اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔بعض نے کہا کہ یہ بیان وتفسیر اللہ کے قول ما افاء الله علی رسوله منهم کی ہے۔اس تقدیر پر یہ اللہ، رسول، قرابت داروں، یتیموں اور مسافروں کے لئے ہے۔اور ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ پچھلی آیت کی تفسیر نہیں ہے بلکہ ان اموال غنیمت کے لئے جو بذریعہ قوت غزوات میں ہر شہر سے حاصل ہوتا ہے۔پس یہ مبتداء ہے۔قاضی ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں کہا اور لوگوں نے اس جہت کے بارے میں اختلاف کیا جہاں یہ صرف کیا جاتا ہے۔ایک گروہ نے کہا کہ یہ مال فقیر وغنی تمام مسلمانوں کے لئے دیا جاتا ہے۔اور امام اس میں سے لڑنے والوں، حکام اور والیوں کو عطاء کر سکتا ہے اور اس میں سے ناگہانیوں پر بھی خرچ کر سکتا ہے اسی پر جمہور کی رائے ہے اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنھما سے ثابت ہے۔اور شافعیؒ نے فرمایا بلکہ اس میں خمس ہے۔خمس وہ مقسوم ہے ان پر جن کا آیت الغنائم میں ذکر کیا گیا ہے۔اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا مال غنیمت سے پانچویں حصہ میں ذکر کیا گیا۔اور جو باقی رہ جائے وہ اجتہاد پر موقوف ہے۔وہ خرچ کرے خود پر اپنے خاندان پر، اور دوسرے جن پر چاہے۔میرا گمان ہے کہ ایک قوم نے یہ بھی کہا ہے کہ مالِ فئے غیر مخمس ہے البتہ وہ ان پانچ اصناف پر خرچ کیا جائے گا جن پر خمس خرچ کیا جاتا ہے یہ امام شافعیؒ کا ایک قول بھی ہے۔ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ جس آدمی نے یہ سمجھا ہے کہ وہ اس پورے کے پورے کو اصناف خمسہ پر تقسیم کرے گا یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ مال امام کے اجتہاد پر موقوف ہے تو یہ غنیمت کے خمس کی تقسیم کا اختلاف ہے اور یہ پہلے بھی گزر چکا ہے یعنی یہ بات کہ اس آیت میں اصناف کا ذکر مستحقین پر متنبہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے اس نے ان مذکورہ اصناف یا ان کے علاوہ اصناف کے علاوہ کہا ہے اور جس آدمی نے ان اصناف کو اس مال کے مستحقین کی تعداد قرار دیا ہے اس کا یہ کہنا ہے کہ ان اصناف کے علاوہ دوسری اصناف کی طرف اسے بڑھایا نہیں جائے گا یعنی اس شخص نے اسے خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔تنبیہ میں سے شمار نہیں کیا البتہ ''فئے'' کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کی بات امام شافعی سے پہلے کسی نے بھی نہیں کی اور انہوں اسے اس قول پر محمول کیا کہ انہوں نے دیکھا کہ آیت میں ''فئے'' ان اصناف کے عدد پر تقسیم کی گئی تھی جن پر خمس تقسیم کیا گیا تھا لہذا اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس میں بھی خمس ہے۔کیونکہ اس نے گمان کیا تھا کہ یہ تقسیم خمس کے ساتھ مختص ہے۔حالانکہ یہ بات ظاہر نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ تقسیم تمام فئے کو خاص ہے اس کے کسی جزو کو نہیں۔اسی کی طرف ایک اور جماعت کا رجحان ہے۔مسلم شریف نے حضرت عمر سے روایت نقل کی ہے کہ بنی نضیر کے اموال ان اموال میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر لوٹائے اور ان پر مسلمانوں نے کوئی لشکر کشی نہیں کی لہذا وہ خالصتاً نبی پاک ﷺ کے لئے ہی تھے پس آپ ان میں سے اپنے اہل پر سال بھر خرچ کرتے رہتے تھے۔اور جو اس میں سے بچ رہتا تھا اسے آپ ﷺ اللہ کی راہ میں اسلحہ وغیرہ کی تیاری پر صرف کرتے تھے۔یہ بات امام مالک کے مذہب پر بھی دلالت کرتی ہے اور آپ کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ فئے اور غنیمت کی آیات اختیار پر محمول ہیں اور یہ کہ فئے کی آیت غنیمت کی آیت کی ناسخہ ہے یا اس کو خاص کرنے والی ہے۔یہ قول بہت ہی زیادہ کمزور ہے۔اس لئے کہ سورہ حشر کی آیت جو کہ متضمنہ ہے اموال کے اقسام کو

وہ مخالف ہے سورۃ الانفال کے متضمن نوع کے حکم کی اور وہ یہ ہے کہ فما او جفتم علیه من خیل ولا رکاب (الحشر ٦) یہ ارشاد اس علت پر تنبیہ ہے جس کی وجہ سے تقسیم اور لوگوں کے علاوہ بطور خاص لشکر کے لئے حق واجب نہیں ہوا بخلاف اس کے کیونکہ وہ لشکر کشی کے ذریعہ ہی پایا گیا ہے۔ كَیۡ لَا یَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡكُمۡ (ترجمہ:۔تا کہ وہ تمہارے مال امیروں کے مابین گردش نہ کرتی رہے۔) جمہور نے "لا یکون" یای کے ساتھ پڑھا ہے۔اور عبداللہ ابوجعفر ہشام نے "تا" کے ساتھ پڑھا ہے۔اور جمہور نے دولۃ کو دال پر پیش اور "تاء" پر نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔اور ابوجعفر ابوحیاۃ اور ہشام نے اسے "پیش" سے پڑھا ہے کہ ان کے نزدیک وہ کان تامہ ہے "دال" پر زبر کے بھی پڑھا گیا ہے۔عیسیٰ بن عمر یونس اور اصمعی نے کہا دونوں لغتوں میں ایک ہی معنی ہیں۔اور ابوعمر بن العلاء نے دولة کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ اموال کی باری باری گردش ہے اور پیش کے ساتھ فعل ہے۔اور اسی طرح ابوعبیدہ نے کہا کہ کہا جاتا ہے کہ پیش کے ساتھ مال کے بارے میں اور زبر کے ساتھ حرب کے بارے میں بولا جاتا ہے۔ دالت الایام تدول دارت الاموال ۔تدور وزن اور معنی دونوں میں۔اور معنی ہیں تا کہ کسی مال فئے تمہارے اغنیاء کے درمیان میں گردش کرتی نہ رہ جائے اور فقراء محروم رہ جائیں۔اور "مال فئے" کا حق یہ ہے کہ اسے فقرا کو عطا کیا جائے تا کہ وہ ان کے لئے کفایت کرنے والی بنے جس کے ذریعہ وہ مالداروں کے درمیان زندگی بسر کر سکیں۔ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا (ترجمہ:۔اور جو رسول تمہیں دے اس کو لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ) حسن سے اس آیت کے معنی یہ مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انہیں غنائم عطاء فرماتے تھے اور انہیں "غلول" یعنی خیانت سے روکتے تھے اور مجھے قسم ہے کہ یہ آیت تمام اوامر و نواہی کو شامل ہے۔جن کے متعلق احکام شرعی معلوم نہ ہوں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ (ترجمہ:۔اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت پاداش والا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اسے سزا دے گا اور جو وہ اختیار نہیں کرتا جو رسول ﷺ اسے دیتے ہیں اور نہیں چھوڑتا وہ جس سے رسول ﷺ روکتے ہیں۔یہ آیت اس تقدیر پر ایک وعید ہے اس شخص کے لئے جس نے رسول اللہ کی کسی معاملہ میں بھی مخالفت کی ہو۔ابی رافع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے گاؤ تکیہ پر ٹیک لگائے نہ بیٹھا ہو کہ اس کے پاس ایسی بات آ جائے جس کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں نے منع کیا ہو پھر وہ یوں کہے کہ میں نہیں جانتا، ہم نے کتاب اللہ میں اسے نہیں پایا کہ ہم اس کی اتباع کریں۔ اریکہ ہر وہ شئے جس پر ٹیک لگائی جائے۔چارپائی، تکیہ یا گدے میں سے ہو۔یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ خبرِ واحد جبکہ وہ کتاب اللہ کی معارض بھی نہ ہو تو وہ حجۃ ہوتی ہے۔

(٨) لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِیۡنَ (ترجمہ:۔(یہ مال فئے) ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے) کہا جاتا ہے کہ "ذوی القربیٰ" سے بدل ہے اسی خیال کے حامی ابوالبقاء اور صاحب کشاف نے بھی "ذو القربی" کا بدل بتایا ہے۔اور اس نے ابوحنیفہ کا نظریہ اپنایا۔اور معنی یہ ہیں نادار قرابت دار اس کا حقدار ہوتا ہے۔بلاشبہ اس میں ان کے نزدیک "فقر" (ناداری) کی قید ہے۔اور شافعیؒ کے نزدیک استحقاق کا سبب قرابت ہے لہٰذا غنی قرابت دار بھی اسے لے سکتا ہے۔ابن عطیہ نے کہا "للفقراء والمهاجرین" مساکین

اور مسافر کا بیان ہے۔ مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی اموال واپنے خاندان اور اپنے گھروں کو چھوڑتے ہوئے اپنے دین کی محبت اور رسولؐ کی صحبت کے شغف میں ہجرت کی ان کی دو قسمیں ہیں پہلے وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول کی طرف ہجرت کی۔ یا ان کے حکم سے کفار نے انہیں گھروں سے نہیں نکالا۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہیں کفار نے ان کے وطن سے نکال باہر کیا۔ اور اسی کی طرف اللہ کا اشارہ ہے۔ **الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَاَمۡوَالِہِمۡ** (ترجمہ:۔ جنہیں ان کے گھروں اور املاک سے نکال دیا گیا) نسفی نے کہا کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کفار مسلمانوں کے اموال پر زبردستی قابض ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ نے انہیں ''فقراء'' کا نام دیا ہے۔ **یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانًا** (ترجمہ:۔ اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہوئے) یعنی فضل ورضا کی طلب گاری کی خاطر **وَّیَنۡصُرُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ** (ترجمہ:۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہوئے) کفار سے اپنی جانوں اور اموال کے ذریعہ جہاد کرتے ہوئے **اُولٰٓئِکَ** (ترجمہ:۔ یہی تو وہ) یعنی ان صفات کے حامل لوگ۔ **ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ** (ترجمہ:۔ سچے لوگ ہیں) اللہ اس کے رسول کی محبت اور ان دونوں کی اطاعت میں اور صادق وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اپنی مال اور جان سے فضل ورضائے الٰہی کی خاطر دین اسلام کی مدد کرتا ہے۔ اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کا اشارہ ہے کہ **یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین.** (التوبۃ ۱۱۹)

(۹) **وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِیۡمَانَ** (ترجمہ:۔ اور جو لوگ بھی جو پہلے سے دار الہجرت اور دار ایمان میں مقیم ہو گئے۔ مہاجرین پر معطوف خصائل انصار کے بیان میں مستانفہ کلام ہے اور **تبوّو الدار والایمان** دونوں کے درمیان باءۃ'' کو لازم کر دیا اور مباءۃ سے مراد منزل ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ منزل قوم جب کہ وہ پہلے سے اقامت پذیر ہوں۔ وادی میں پہاڑ پر یا فلاں منزل میں ان سب کے معنی ہیں کہ اس نے فلاں چیز کو اختیار کیا۔ اگر آپ کہیں گے کہ بظاہر دار (گھر) اور ایمان میں کوئی ربط نہیں۔ ان دونوں کے درمیان عطف اچھا نہیں ہے۔ ''میں کہوں گا'' صاحب کشاف کا کہنا ہے ''اس کی تقدیر دار الہجرۃ اور دار الایمان ہے۔ لام تعریف (عرفہ) ''الدار'' میں مضاف الیہ کے مقام پر قائم ہے۔ اور دار الایمان سے مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ مضاف الیہ کو اس کے مقام پر رکھ دیا گیا اور ابن عطیہ نے کہا اس کے معنی ہیں **تبوؤ الدار مع الایمان** (ایمان کے ساتھ گھر میں اقامت پذیر ہوئے) اور بعض مفسرین نے کہا اس کے معنی ہیں مدینہ میں متوطن ہوئے ایمان میں خالص ہو گئے'' اور یہ بیضاوی کا قول ہے۔ یا اس کے معنی ہیں۔ انہوں نے ایمان کو اپنے لئے مستقر و منزل بنا لیا تا کہ اس پر جمے رہے اور ثابت قدم رہے۔ اور میرے نزدیک حق وہی ہے جو صاحب کشاف کا نقطہ نظر ہے کیونکہ اس میں حذف تھوڑا ہے علاوہ ازیں معنی کی پختگی اور سنجیدگی ہے۔ **مِنۡ قَبۡلِہِمۡ** (ترجمہ:۔ اس سے پہلے) یعنی مدینہ میں مہاجرین کی آمد سے قبل اور کہا جاتا ہے ان کی ہجرت سے پہلے **یُحِبُّوۡنَ مَنۡ ہَاجَرَ اِلَیۡہِمۡ** (ترجمہ:۔ ان لوگوں سے جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی محبت کرتے ہیں۔) یہاں تک کہ اپنی اموال کو آدھا تقسیم کر دیا اور ان کو اپنے گھروں میں مہمان بنا لیا۔

کہا جاتا ہے یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے دی تاکہ مہاجرین میں سے کوئی شخص اس سے نکاح کرلے اور یہ ایک بہت ہی مشکل معاملہ تھا اس پر صرف وہی راضی ہوسکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے تمام چیزوں سے زیادہ محبت کرتا ہو۔ **وَلَا يَجِدُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور نہیں پاتے ہیں) یعنی انصار نہیں پاتے ہیں **فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً** (ترجمہ:۔ اپنے سینوں میں کوئی آرزو) حسد یا غصہ کی وجہ سے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سینوں میں کوئی حاجت یا کوئی اثر محسوس نہیں کرتے۔ **مِّمَّآ اُوْتُوْا** (ترجمہ:۔ اس کی جو کچھ انہیں دیا گیا ہے) یعنی جو کچھ مال فئے میں سے مہاجرین کو دیا گیا۔ بلکہ وہ تو اس بات سے بہت خوش تھے اور کہتے تھے کہ بلاشبہ اس کے یہی حقدار ہیں۔ **وَيُؤْثِرُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور وہ ترجیح دیتے ہیں) یعنی پسند کرتے ہیں۔ **عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ** (ترجمہ:۔ ان کو اپنے آپ پر) معاشی اسباب کے بارے میں اور ایثار سے مراد ہے آخرۃ کے اجر کو چاہتے ہوئے نفس کی مرغوب لذتوں کے معاملہ میں اپنے اوپر دوسرے کو مقدم کرنا۔ **وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ** (ترجمہ:۔ چاہے انہیں محتاجی ہی کیوں نہ ہو) ابن اعرابی نے کہا **الخصاصه** ' **الخصاصا** اور **الخصاص** کے معنی ہیں فقیر' بدحالی' محتاجی اور حاجۃ۔ حدیث فضالۃ میں ہے کہ بھوک کی وجہ سے نماز میں صحابہ کرام کے کھڑے ہونے سے ٹانگیں کپکپاتی تھیں۔ خصاصہ یعنی بھوک۔ صاحب اللسان نے کہا کہ اس کی اصل کشادگی یا تنگی میں ہے کیونکہ چیز جب کشادہ ہوتی تو خراب اور خلل پذیر ہوتی ہے (قول مفسر علامؒ)۔ میں یہ کہتا ہوں کہ بھوکا بھی اسی طرح ہوتا ہے کیونکہ اس کے اعضاء میں اختلال اور ضعف ہوتا ہے۔ ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ مجھ پر مصیبت آن پڑی ہے۔ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف پیغام بھجوادیا مگر وہاں سے کچھ نہیں ملا تو آپ ﷺ نے اعلان کیا ہے کوئی جو اس شخص کو آج رات مہمان بنائے گا اللہ اس پر رحم کرے گا۔ انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوگیا اور بولا حضور میں! پس وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے بولا یہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے۔ کچھ ہے اپنے پاس کچھ بچا نا نہیں۔ وہ بولی اللہ کی قسم میرے پاس سوائے بچوں کی غذا کے کچھ نہیں ہے۔ شوہر نے کہا جب بچے رات کے کھانے کا ارادہ کریں تو انہیں سلا دینا اور میرے پاس آنا پھر تم چراغ کو بجھا دینا آج کی رات ہم اپنے پیٹ کو لپیٹیں گے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ شخص صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے فلاں شخص اور فلاں عورت سے بڑا تعجب کیا ہے یا آپ نے یوں فرمایا کہ اللہ فلاں شخص اور فلاں عورت کی وجہ سے بہت ہنسا ہے اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ بعض صحابۂ کرام کو بھنا ہوا بکرے کا سر ہدیہ کیا گیا اور وہ شخص بھوکا اور ضرورت مند بھی تھا اس نے وہ بھنا ہوا سر اپنے پڑوسی کی طرف بھیج دیا پھر اسی طرح نو افراد کے درمیان گردش کرتا رہا یہاں تک کہ وہ پہلے کی طرف لوٹ آیا۔ اور ایسا ہی قصہ یوم یرموک پر پیش آیا۔ اور اس کا اجمال یہ ہے کہ عکرمہؓ اور ان کے ساتھیوں کو پانی پیش کیا گیا پس ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی طرف لوٹا تا رہا حالانکہ وہ شدید ترین زخمی اور پیاسے تھے دوسرے نے تیسرے کو لوٹا دیا جب کہ وہ بھی پہلے ہی کی طرح تھا پھر وہ پانی تیسرے تک بھی نہ پہنچا تھا کہ وہ سب

مرگئے۔ **وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** (ترجمہ:۔ جو کوئی اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا پس وہی لوگ تو فلاح و کامرانی پانے والے ہیں) جمہور نے یوق کو واؤ کے سکون کے ساتھ اور قاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جو وقایه سے ماخوذ ہے۔اور واؤ پر زبر اور قاف پر تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ شح کے معنی بخل اور اضافی مال کو روکنا ہے۔صاحب اللسان نے کہا ہے کہ کہا گیا ہے کہ شح کہتے ہیں حرص کے ساتھ بخل کو۔اور حدیث میں ہے "وایا کم والشح"الشح بھی شدید بخل اور روکنے میں بخل سے زیادہ بلیغ ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ بخل مفرد اور تنہا امور میں ہوتا ہے اور شح عام ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ بخل مال سے ہوتا ہے اور شح مال سے اور نیکی سے ہے۔شح کے معنی کے بارے میں اس آیت میں اختلاف ہے۔طبری نے کہا جہاں تک علماء کا تعلق ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس مقام پر شح کے معنی ہیں لوگوں کے مال کو بغیر حق ہڑپ کر جانا۔اور یہ ابن مسعود اور الاعمش کا بھی قول ہے۔اور ان میں سے بعض نے کہا کہ جو زکواۃ نہیں ادا کرتا اور مہمان کی میزبانی نہیں کرتا اور مصیبت میں کچھ بھی عطا نہیں کرتا۔پس وہ شحیح ہے یہ انس بن مالکؓ کا قول ہے۔اور ابن زید نے کہا جو شخص کوئی حرام شئے نہیں لیتا اور نہ اس کا اقرار کرتا ہے اور نہ بخل اسے کسی چیز سے باز رکھنے نہ دیتا ہے کہ منع کرے اس سے جس کا اللہ نے حکم دیا ہو۔پس اللہ نے اس کو اس کے نفس کے بخل و حرص سے بچالیا۔پس وہی فلاح پانے والوں میں سے ہے۔اور انس بن مالکؓ کا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ جب اس نے زکواۃ ادا کی مہمان کی پذیرائی کی اور مصیبتوں میں خرچ کیا اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو اپنے مال کے انفاق سے نہیں روکا۔پس حریص اور بخیل نہیں ہوسکتا۔

(۱۰) **وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ** (ترجمہ: اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے) یہ مہاجرین پر عطف ہے اور وہ یوم القیامۃ تک اتباع کرنے والے ہیں۔ **يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ** (ترجمہ:۔ یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب مغفرت فرما ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے ایمان میں سبقت لے جاچکے ہیں) وہ لوگ مہاجر اور انصار ہیں۔ اخوة سے مراد دینی اخوت ہے۔عربی دیہاتی اخوان تثنیہ کے طور پر کہتے ہیں اور لغۃ میں یہ منقوص استعمال ہوتا ہے۔ پس اخان کہا جاتا ہے اس کی جمع ہے اخوة اور اخوان اور کبھی آخاء بروزن آباء کہا جاتا ہے۔ **وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا** (ترجمہ:۔اور ہمارے قلوب میں کینہ مت پیدا فرما) یعنی بغض و عداوت۔ **لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** (ترجمہ:۔ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے) صحابہ میں سے' اسمیں شدید سرزنش (وعید) روافض اور خوارج کے لئے ہے۔اور اس آدمی کے لئے جو معاویہؓ سے عداوت رکھتا ہے کیونکہ یہ روافض و خوارج اس سے تجاوز کر کے سبّ وشتم (گالی گلوج) تک آ گئے ہیں۔ان کی لگام شیطان کے ہاتھ میں ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے غیض و غضب اور عبرتناک سزا میں ڈالدیا اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اصحاب نبی ﷺ کے لئے مغفرت طلب کریں مگر لوگوں نے گالیاں دیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی **رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** (ترجمہ:۔اے ہمارے رب بیشک آپ نہایت شفیق اور مہربان ہیں) حضرت سعید بن مسیبؓ سے پوچھا گیا کہ تم عثمان' علی' طلحہ

کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔تو آپ نے فرمایا۔میں وہ کہتا ہوں جو اللہ نے مجھ سے کہلوایا ہے یہ کہکر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔میں یہ کہتا ہوں انسان کے لئے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ صحابہ کے بارے میں خیر کے علاوہ کچھ نہ کہے۔اس لئے کہ وہ نجوم کی طرح ہیں پس جس کی بھی تم اتباع کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔پھر باہم جھگڑے اور باہم جنگیں جو کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ کے درمیان واقع ہوئیں علی کرم اللہ وجہہ کے خلافت کے متعلق نزاع کے لئے نہیں بلکہ اجتہاد میں ان کے غلطی پر ہونے کی وجہ سے ہوئیں۔کیونکہ خلافت علیؓ پر تمام کبائر، مہاجر اور انصار صحابہ کا اجماع تھا۔ان سے قبول خلافت کا التماس کیا گیا تھا پس انہوں نے ان کی بیعت کی کیونکہ آپ اپنے معاصرین میں سب سے افضل اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔اور آپ کی فضیلت کے بارے میں احادیث بیشمار ہیں۔حضرت امام احمدؒ نے فرمایا کہ جتنا کچھ حضرت علیؓ کے فضائل کے بارے میں وارد ہوا وہ کسی بھی صحابہ کے لئے نہیں ہوا۔اسے حاکم نے ذکر کیا۔اور بخاری اور مسلم نے سعد بن ابی وقاصؓ سے اخراج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی ابن ابی طالبؓ کو غزوہ تبوک کے موقع پر اپنا جانشین بنایا تھا تو انہوں نے کہا تھا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں رسول اللہ نے فرمایا تھا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جاؤ جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے لئے تھے۔سوائے اس کہ بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔احمد اور بزار نے ابوسعید خدریؓ کی روایت سے طبرانی نے اسماء بنت قیسؓ اور ام سلمہؓ اور حبشی بن جنادہ اور ابن عمر اور ابن عباس اور جابر بن سمرہ اور البراء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے اور بخاری اور مسلم نے سہل بن سعد سے اخراج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم خیبر پر کہا میں کل سویرے اس شخص کو جھنڈا دونگا اللہ اس کے ہاتھوں فتح عطاء کرے گا۔اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔لوگوں نے پوری رات غور و خوص اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے گذاری کہ آپ ﷺ ان میں کس کو علم عطاء کریں گے۔صبح کے وقت تمام لوگ اس امید پر حاضر ہوئے کہ آپ یہ جھنڈا اسے عطا کریں گے۔آپ نے فرمایا علی ابن ابی طالب کہاں ہیں۔جواب ملا ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں آپ نے فرمایا انہیں بلاؤ وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور ان کے لئے دعا کی۔تو آپ کی آنکھیں اس طرح ٹھیک ہوگئیں جیسے ان میں تکلیف نہیں ہوئی تھی پھر آپ نے انہیں جھنڈا اعطا فرمایا۔مسلم بن سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی **ندع ابناء نا وابناء کم** رسول اللہ ﷺ نے علیؓ فاطمہؓ حسن اور حسین کو بلایا اور کہا یا اللہ یہ میرے اہل ہیں۔ترمذی نے ابی سریحہ اور زید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **من کنت مولاہ فعلی مولاۃ** (جس کا میں مولا ہوں پس علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔) احمد نے علی ابن ایوب انصاری، زید بن ارقم، عمر اور ابو یعلی نے ابو ہریرہؓ سے اور طبرانی نے ابن عمرؓ مالک بن حویرث، حبشی بن جنادہ، جریر و سعد بن ابی وقاصؓ ابو سعید خدری اور انس سے اور بزار نے ابن عباسؓ عمارہ، بریدہ سے روایت کیا تھا اس حدیث کی اکثر روایت میں **اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ**، (یا اللہ جو ان سے محبت رکھے اس سے محبت کر اور جو عداوت رکھے اس سے عداوت کر) کا اضافہ بھی ہے۔احمدؒ

ابو طفیل سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ۳۵ھ میں ''رجت'' (سخت ایام کے موقعہ) پر لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تمہیں ہر مسلمان کو قسم دیتا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ کو یوم غدیر خم کے دن اس طرح کہتے سنا ہو کھڑا ہو جائے۔ تو آپ کے سامنے (۳۰) آدمی کھڑے ہو گئے اور گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **من کنت مولاہ فعلی مولاہ ' اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ**۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابن عسا کرنے روایت کی ہے کہ کتاب اللہ میں کسی فرد واحد کے لئے وہ کچھ نازل نہیں ہوا جو کہ علیؓ کے بارے میں نازل ہوا۔ اور ان ہی سے یہ منقول ہے کہ علیؓ کے بارے میں تین سو آیات نازل ہوئی۔ اور سعدؓ سے بزار نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس مسجد میں حالت جنب میں داخل ہو سوائے میرے اور تیرے اور ابو یعلی نے ابو ھریرہؓ سے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تین خوبیاں علی کو دی گئیں اگر مجھے کوئی ایک بھی میسر ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ عزیز ہوتی۔ پوچھا گیا کہ وہ کیا ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا ان کی رسول اللہ ﷺ کی دختر فاطمہ سے شادی ان کا مسجد میں قیام میرے لئے حلال نہیں ان کے لئے حلال ہے۔ اور خیبر کے دن ان کو علم کی عطاء۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس بات میں احادیث بہت سی ہیں۔ اور اکثر صحابہؓ سے ان کے افضل ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اہل سنۃ نے کہا ہے کہ افضلیت کے معنی اکثر ثواب ہے اور یہ معاملہ مبہم ہے۔ اس کے معنی واضح نہیں ہیں اور ہم اس کی مراد کو نہیں سمجھ سکتے۔ پس اہل سنۃ نے جو کہا وہ ہم کہتے ہیں کہ ان سب میں سب سے افضل ابو بکر صدیقؓ ہیں پھر عمر بن خطابؓ جو خطاء اور صواب کے مابین فاروق ہیں اور اکثر اس نظریہ کے حامی ہیں۔ کہ عثمان بن عفانؓ 'علیؓ سے افضل ہیں اور ان میں سے بعض نے کہا ان میں امام الحرمین بھی شامل ہیں کہ علیؓ ابن ابی طالب' عثمان بن عفانؓ سے افضل ہیں۔ لہذا ہم اس بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔ اور تمام صحابہ پر شیخین کی فضیلت اور دونوں دامادوں کے ساتھ محبت رکھنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے۔ اور جہاں تک اس نقطہ نظر کا تعلق ہے جو یہ کہتا ہے کہ فضیلت خلافت کے اعتبار سے ہے پس ہمارے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ اول یہ کہ خلافت راشدہ' خلافت رسول ﷺ نہیں ہے،۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ میں سے کسی کو بھی اپنا جانشین نہیں بنایا اور نصِ صریح اس میں ثابت نہیں ہے۔ بلکہ یہ خلافۃ احکام دینوی اور دنیوی کے اجراء کے لئے امت کی جانب سے ہے پس یہ ریاسۃ عامۃ ہے جس میں امورِ معاش معاد کی اصلاح کی شامل ہے۔ اور جب ایسا ہو تو تقدیم افضلیت کا مدار نہیں بنے گی۔ اور دوم یہ کہ مفضول کی امامت فاضل کے وجود کے ساتھ اہل سنت کے پاس معقود علیہ ہے۔ پس خلافت میں متقدم اپنے متاخر سے اولیٰ اور افضل نہیں ہو سکتا اس بات میں صحیح نظریہ وہ ہے جو ہم نے بیان کیا واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(۱۱) **اَلَمْ تَرَ** (ترجمہ:۔ کیا تم نے نہیں دیکھا) اے محمد ﷺ **اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا** (ترجمہ:۔ ان لوگوں کی جانب جو منافق ہیں) یعنی عبداللہ بن اُبی اور ان کے چیلوں کی طرف **يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ** (ترجمہ:۔ اہل کتاب میں سے کفر اختیار کرنے والے اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں) اخوۃ سے مراد اخوۃ کفر ہے۔ اور وہ بنو نضیر

ہیں۔ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ (ترجمہ:۔اگر تم نکالے گئے) اپنے گھروں سے لَنَخۡرُجَنَّ مَعَكُمۡ وَلَا نُطِيۡعُ (ترجمہ:۔تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور اطاعت نہیں کریں گے) محمد ﷺ کی فِيۡكُمۡ (ترجمہ:۔تمہارے بارے میں) یعنی تم سے جنگ کرنے میں اَحَدًا اَبَدًا (ترجمہ:۔کسی کی کبھی بھی) یعنی ان لوگوں میں سے جو تم پر چڑھائی کا ارادہ کریں گے۔ اور ابد ظرف نفی ہے وَّاِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ (ترجمہ: اگر تم پر حملہ کیا گیا) کہا جاتا ہے کہ لام موطئہ اس سے حذف کیا گیا ہے۔ لَنَنۡصُرَنَّكُمۡ (ترجمہ:۔ہم تمہاری مدد کریں گے) تمہارے دشمنوں کے خلاف۔ وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ (ترجمہ:۔اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ) یعنی منافقین لَكٰذِبُوۡنَ (ترجمہ:۔جھوٹے ہیں) عہد و پیماں میں کیونکہ ان کا نفاق کذب اور افتراء پر اکساتا ہے۔ پھر ان کا کذب بیان کیا گیا اور کہا گیا۔

(۱۲) لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا (ترجمہ:۔اگر انہیں نکالا گیا ہے) یعنی بنونضیر اپنے مسکنوں سے لَا يَخۡرُجُوۡنَ مَعَهُمۡ وَلَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ (ترجمہ:۔یہ لوگ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور ان پر حملہ کیا گیا تو ان کی مدد بھی نہیں کریں گے۔) کیونکہ منافقین ہی اپنے ہر وعدہ میں جھوٹے ہوتے ہیں۔ وَلَئِنۡ نَّصَرُوۡهُمۡ (ترجمہ:۔اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی بھی تو) یعنی بغرض کمال منافقین نے بنی نضیر کی مدد کی تھی اور زجاج نے کہا اس کے معنی ہیں اگر انہوں نے یہود کی مدد کا ارادہ کیا۔ لَيُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ (ترجمہ:۔وہ اپنی پشتیں پھیر لیں گے) شکست خوردہ ہو کر۔ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ (ترجمہ:۔پھر ان کی مدد نہ کی جاسکے گی) وہ منصور نہیں بنیں گے۔ اور یہ بات فرض محال پر جیسے کہ اللہ فرماتا ہے لئن اشرکت لیحبطن عملک (الزمر ۶۵) اور رسول اللہ اور اسی طرح اللہ کی طرف شرک کی نسبت۔ یہ تعلیق محال بالمحال ہے پھر مسلمانوں سے اللہ نے خطاب کیا اور کہا اے گروہ مسلمین۔

(۱۳) لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ (ترجمہ:۔بلاشبہ تم ان کے دلوں میں زیادہ ہیبت والے ہو) یعنی منافقین کے یا یہود کے دل زیادہ خوف زدہ ہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ اور اصحابؓ کا منافقوں اور کافروں کے دلوں میں رعب غالب ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ (ترجمہ:۔اللہ سے) یعنی اللہ کی خشیت کے مقابل میں اس لئے کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتے ہیں بلکہ تم سے ڈرتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ (ترجمہ:۔کیوں کہ یہ لوگ فہم نہ رکھنے والی قوم ہیں) کہ اللہ ہی زیادہ ھیبت والا ہے۔ اور زیادہ حق دار ہے مخلوق کی خشیت سے۔ اللہ کی عظمت وجلال سے بے خبر ہیں اگر وہ جانتے تو اس سے اسی طرح ڈرتے جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے پھر اللہ نے ان کے خلاف اور ان کی بزدلی کا بیان کیا اور کہا کہ بلاشبہ وہ

(۱۴) لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا (ترجمہ:۔تم سے جنگ نہیں کرتے ہیں مل کر بھی) یعنی یہود و منافقین جمع ہو کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے۔ اِلَّا (ترجمہ:۔سوائے) پوشیدہ۔ فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ (ترجمہ:۔قلعہ اور بستیوں میں) جنہیں خندقیں اور بڑے بڑے پھاٹک ہوتے ہیں۔ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ (ترجمہ:۔یا دیواروں کے پیچھے سے) یعنی احاطوں کے پیچھے سے۔ جمہور نے جدر کو دونوں جگہ پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا واحد جدار ہے۔ اور ابورجاء اور حسن اور ابن وثاب نے دال کو ساکن پڑھا ہے۔ اور کہا جاتا

ہے کہ ابن کثیر، عاصم، اعمش سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور ابو عمرو، ابن کثیر اور اہل مکہ کی ایک جماعت نے جدار کو الف کے ساتھ اور جیم کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان ہی کے ایک گروہ نے جیم پر زبر پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے قراۃ اولیٰ کو اختیار کیا ہے۔ اور یہی جمہور کی قراۃ ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں کھجوروں کی دیواروں کے پیچھے یعنی وہ کھجوروں کی اوٹ لیں گے مقابلہ کے وقت ان درختوں میں بچاؤ کے لئے۔ **بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ** (ترجمہ:۔ ان کے درمیان شدید جھگڑا ہے) یعنی ان کے بعض لوگ بدکار اور بد خو تھے۔ بعض کے لئے یعنی بعض کی بعض سے ٹھنتی تھی جھگڑا چلتا تھا۔ **تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا** (ترجمہ:۔ تم انہیں گمان کرو گے کہ یہ یکجا ہیں) یعنی مجتمع ہیں۔ **وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى** (ترجمہ:۔ حالانکہ ان کے قلوب منتشر ہیں) یعنی ان کی آرزوئیں متفرق ہیں۔ اور یہ مجازِ مرسل کے طور پر بیان ہوا ہے۔ اور یہ ان کی شکست وذلت کی دلیل ہے۔ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ** (ترجمہ:۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ) یعنی ان کا انتشار اور تفرقہ۔ **قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ** (ترجمہ:۔ نہ سمجھنے والی کم عقل قوم ہیں) یعنی اپنی اصلاح حال کو قطعی نہیں سمجھتے ہیں۔ پس بہائم کی طرح ہیں۔ ایک حالت پر متفق نہیں ہوتے۔ اگر عاقل ہوتے تو اپنی اصلاح کر لیتے اور حق کو پہچانتے اور اس کا اتباع کرتے۔ اور جمہور نے شتی کو الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور مبشر بن عبید نے ن کے ساتھ پڑھا ہے اور الفِ الحاق بنا دیا۔ اور عبد اللہ نے کہا کہ قلوبھم شت یعنی تفرقہ میں زیادہ شدید۔

(۱۵) **كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** (ترجمہ:۔ ان لوگوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے تھے) یعنی منافقوں اور یہود کی طرح اور ان لوگوں کی مثال جو ان سے پہلے تھے۔ **قَرِيْبًا** (ترجمہ:۔ کچھ قریب) یعنی ان کے عہد کے قریب اور وہ مشرکین اور اہل مکہ تھے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر دیا تھا۔ **ذَاقُوْا** (ترجمہ:۔ انہوں نے چکھا تھا) بدر کے دوران۔ **وَبَالَ اَمْرِهِمْ** (ترجمہ:۔ اپنے معاملات کا وبال) یعنی برا انجام ان کے کفر کا۔ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** (ترجمہ:۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا) یعنی آخرۃ میں الم دینے والا۔

(۱۶) **كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ** (ترجمہ:۔ (وہ) شیطان کی طرح ہیں) یہ دوسری مثال ہے۔ **اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ** (ترجمہ:۔ جب اس نے انسان سے کہا "کفر اختیار کرو) اور شیطان سے مراد ابلیس ہے۔ **فَلَمَّا** (ترجمہ:۔ پس جب) اس کا قول قبول کر لیا۔ **كَفَرَ قَالَ** (ترجمہ:۔ اس نے کفر اختیار کر لیا تو وہ بولا) یعنی شیطان۔ **اِنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ** (ترجمہ:۔ میں تجھ سے بری الذمہ ہوں میں سارے جہانوں کو پالنے والے اللہ سے ڈرتا ہوں) اور یہ یہود کی مثال ہے اور منافقوں کا بنی نضیر کو جنگ پر گمراہ کرنے اور ان کی مدد کرنے کے وعدہ کی مثال ہے۔ پس جب وہ قتال کے لئے تیار ہو گئے تو ان سے گریز کر لیا اور انہیں چھوڑ دیا پس ان کا بنی نضیر کو گمراہ کرنا، انسان کو شیطان کا اغوا کرنے کے برابر ہے۔

(۱۷) **فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ** ترجمہ:۔ پس ان

دونوں کا انجام یہ ہوگا کہ وہ آگ میں آباد ہوں گے۔اور یہ ظالموں کی جزاء ہے) یعنی یہود اور منافقین۔

(۱۸) **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ** (ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو) یعنی اللہ کے اوامر کے بارے میں۔ اوران کی مخالفت یا اعراض مت کرو۔ **وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ** (ترجمہ:۔ ہر نفس کو دیکھنا چاہیئے) نفس کو نکرہ لایا گیا ہے اس کی تقلیل کیلئے اور نظر سے مراد ہے اعمال اور احوال میں تفکر **مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ** (ترجمہ:۔ اسے جو کہ اس نے کل کیلئے (پیش) کیا ہے) یعنی کل یوم قیامت کون سی شئی اپنے اعمال میں سے آگے بھیجی ہے۔اور عرب ''غد'' سے زمانہ مستقبل کا کنایہ کرتے ہیں۔جیسا کہ زھیر بن ابی سلمۃ نے کہا۔

واعلم ما فی الیوم والامس قبله ولا کننی عن علم ما فی غد عم

''غد'' سے مراد زمانہ مستقبل ہے اور چونکہ یوم قیامت کا زمانہ مستقبل میں ذکر کیا ہوا اللہ نے اسے ''غد'' سے تعبیر کیا۔اور معنی ہیں کہ اپنے نفوس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔اور دیکھ لو کہ تم نے یوم قیامت کے لئے اعمال صالحہ میں سے اپنی جانوں کے لئے کیا ذخیرہ کر رکھا ہے جو تم اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے۔امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں منذر بن جریر کہ ان کے والد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس دن کے ابتدائی وقت میں موجود تھے آپ ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے اس عالم میں کہ ننگے پاؤں اور ننگے جسم تھے عبائیں چاک تھیں اور تلواریں گلے میں لٹکی ہوئی تھیں۔ان کی اکثریت مضر قبیلہ سے تھی بلکہ سب کے سب مضر قبیلے سے تھے۔جب آپ نے انہیں فاقہ زدہ پایا آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا آپ اندر چلے گئے پھر باہر تشریف لائے پھر آپ ﷺ نے بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا نماز قائم کی اور نماز کی ادائیگی کے بعد آپ ﷺ نے خطاب فرمایا یا **ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ**......آخیر تک آیت پڑھی۔اور سورہ حشر کی یہ آیت **والتنظر نفس ماقدمت لغد** پڑھی اور کہا کہ صدقہ کرنا چاہیئے اپنے دینار سے اپنے درہم سے اپنے کپڑوں سے' گیہوں کے دانوں سے اور کھجوروں سے' یہاں تک کہ آپ نے فرمایا چاہے وہ کھجور کا کچھ حصہ ہی کیوں نہ ہو۔راوی نے کہا میں نے دیکھا ایک انصاری ایک تھیلی لے کر آیا جو اس کے ہاتھ اٹھانے سے قاصر ہو رہے تھے پھر لوگوں نے اس کا اتباع کیا حتی کہ میں نے کھانے اور کپڑے کے ڈھیر لگے دیکھے میں نے یہ بھی دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا سونے کی طرح پس آپ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں اچھی سنت کا آغاز کیا تو اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور ان کا بھی اجر ہوگا جس نے بعد میں اس پر عمل کیا یعنی اس روش کو اپنایا حالانکہ ان کے اجور میں کوئی کمی نہ ہوگی۔اور جس نے کسی بری سنت کا آغاز کیا تو اس کا بوجھ اس پر ہوگا اور ان کا بھی بوجھ ہوگا جنہوں نے اس کی پیروی میں عمل کیا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کمی ہو۔اور نفس کا محاسبہ تعلیم اسلامی کا اہم حصہ ہے۔اس لئے کہ اس میں اللہ کو یاد کر کے انسان شرور اور گناہوں سے احتراز کرتا ہے اور نہ تو اللہ کو بھولتا ہے اور نہ ہی اپنے نفس کو فراموش کرتا ہے۔پس کوئی کام محاسبہ سے پہلے نہیں کرتا۔ بلا شبہ یہ تعلیم گناہوں اور برائیوں سے اجتناب کی اصل ہے۔**وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** (ترجمہ:۔اللہ سے ڈرو اللہ تم جو

کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے) اس میں تقویٰ کے حکم کی تکرار ہے یا تو پہلا جو حکم تاکید ہے یا اس سے مراد فرائض و واجبات کی ادائیگی میں تقویٰ ہے اور دوسری سے مراد محارم سے اجتناب و اتقاء ہے۔ اس لئے کہ اللہ جو تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے کیونکہ وہ اشیاء کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ کوئی عمل اس پر مخفی نہیں پس وہ تمہارے اعمال کی جزاء دے گا۔ اور جان لو کہ انسان اپنی مرغوبات کی وجہ سے تقویٰ میں کمزور پڑتا ہے کیونکہ مرغوب اشیاء ذہن میں حاضر رہتی ہیں اور خارج میں وہ موجود ہوتی ہیں۔ پس ان سے احتراز احاصل نہیں ہوسکتا۔ سوائے اس کے کہ اس اشتہاء کے وقت ڈرانے والا کوئی مانع موجود ہو پس انسان جب احوال و اوقات میں ہمیشہ اللہ کو یاد کرتا رہے گا تو اللہ اس کے نزدیک موجود ہوگا۔ پس ذاکر کا وجود اس کی تجلیات میں مستغرق ہو جائے گا اپنے نفس کو بھول جائے گا۔ مشتہی اشیاء اس کے نفس میں حاضر نہیں رہیں گی۔ کیونکہ وہ انوار قاہرہ ہر اس چیز کو مغلوب کر دیں گے جو بھی دروازہ دل پر دستک دے گا پس اس دل میں اس کے انوار کے جلال کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس لئے ایسے انسان سے کسی قسم کا گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اسی کی طرف اللہ نے اشارہ فرمایا۔

(۱۹) **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ** (ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا) یعنی اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ **فَاَنْسٰهُمْ** (ترجمہ:۔ پس اس نے انہیں بھلا دیا۔) یعنی اللہ تعالیٰ نے **اَنْفُسَهُمْ** (ترجمہ:۔ انہیں) پس اللہ انہیں یاد نہیں کرتا جب وہ مصیبتوں اور سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اور یہ ان کے نسیان کی جزاء ہے ورنہ اللہ پر نسیان محال ہے۔ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** (ترجمہ:۔ یہی لوگ تو نافرمانبردار ہیں) یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔

(۲۰) **لَا يَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ** (ترجمہ:۔ دوزخی لوگ اور جنتی لوگ یکساں نہیں ہیں) فضل اور مرتبے میں اس لئے کہ فریق اول نے اللہ کو بھلا دیا اور اس کی بالکل اطاعت نہیں کرتا اور فریق ثانی ہر حال میں اسے یاد کرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے۔ **اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ** (ترجمہ:۔ جنتی لوگ ہی کامران ہیں) یعنی ہر مطلوب کو حاصل کرنے والے ہیں۔ شافعیؒ نے فرمایا جب مومن اور کافر فضل و رتبہ میں برابر نہیں ہیں تو جائز نہیں ہے کہ مومن کو کافر کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ اور نہ ہی کافر اس کے مال کا بطور غلبہ مالک ہے۔ اس لئے کہ دونوں مدارج میں غیر مساوی ہیں میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ یہ آیت اس بارے میں نص نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک کامیاب ہے اور کافر اپنے مطلوب پر فائز نہیں ہے۔ اس آیت سے جرح و قصاص کے بارے میں استدلال جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا قول "**ولسن بالسن والجروح قصاص**" (المائدہ ۴۵) اس بارے میں عام ہے وہ مومن اور کافر دونوں کے لئے شامل حال ہے۔ اور یہ بحث اصول فقہ میں مذکور ہے۔

(۲۱) **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ** (ترجمہ:۔ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے) اس کے باوجود کہ اس کو کوئی شعور نہیں ہے۔ **لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔ تو تم اسے اللہ کے خوف سے عاجزی ظاہر کرتے

ہوئے پاش پاش ہونا دیکھتے) طلحہ نے صاد میں تا کے ادغام سے مصدعا پڑھا ہے۔اور صاحب کشاف اور صاحب البحر المحیط نے کہا یہ تخیل اور تمثیل کے باب سے ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا اناعرضنا الامانة علی السموات الخ (الاحزاب ۷۲) اس پر یہ قول الٰہی دلالت کرتا ہے **وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** (ترجمہ:۔اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ غور وفکر کریں) پس اس کے معنی ہوں گے اگر اس قرآن کو کسی بھی پہاڑ پر اتارا جاتا تو خشوع سے بھر جاتا' انکساری اختیار کرتا اور اللہ کے خوف سے عظمت وسختی کے باوجود پھٹ جاتا۔اور اسے خشوع وتضرع لاحق ہو جاتا۔پس اس بات کا انسان اس سے زیادہ حق دار ہے۔لیکن وہ اس سے کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔اور یہ اس کی جہالت اور دل کی سختی کی وجہ سے ہے۔قراءت وسماعت قرآن کے وقت اس میں خشوع وخضوع کی کمی ہوتی ہے اس لئے کہ قرآن کے زواجر اسے باز نہیں رکھ سکتے اور نہ اس کی دہلا دینے والی باتیں اسے ڈرا سکتی ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پہاڑ سے زیادہ سخت دل ہے اور پتھر اس سے کہیں زیادہ رقیق ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا **ان من الحجارة لما يتفجر منه الانهار وان منها لما يشقق فيخرج منه الماء وان منها لما يهبط من خشية الله** (البقرۃ ۷۴) ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول ﷺ کے لئے جب منبر بنایا گیا حالانکہ آپ ﷺ جمعہ کے دن مسجد میں کھجور کے تنے کے پاس خطبہ ارشاد فرمایا کرتے جب منبر پہلے پہل رکھا گیا اور نبی ﷺ خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے تو اس تنے کے پاس سے منبر کی طرف بڑھے تو اس وقت کھجور کا تنا رونے لگا اور اس طرح سسکیاں لینے لگا جیسے بچہ سسکیاں لیتا ہے کیونکہ وہ اپنے پاس وحی اور ذکر الٰہی سنا کرتا تھا۔

(۲۲) **هُوَ اللّٰهُ** (ترجمہ:۔ وہی اللہ ہے) ایسا معبود جس کے سوا عبادت والوہیت زیبا نہیں۔ **الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** (ترجمہ:۔جس کے سوا کوئی معبود نہیں) کوئی اس کا ہم جنس نہیں اس کا تصور بھی نہیں کہ کوئی اس کے قریب ہو۔ **عٰلِمُ الْغَيْبِ** (ترجمہ:۔غیب کا جاننے والا) یعنی جو عقول وحواس سے غائب ہو **وَالشَّهَادَةِ** (ترجمہ:۔اور حاضر کا) یعنی جو عقول وحواس میں حاضر ہے۔**هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ** (ترجمہ:۔وہ رحمٰن ورحیم ہے) ان دونوں کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔

(۲۳) **هُوَاللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** (ترجمہ:۔وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں) توحید کے بیان کو مکرر لایا گیا۔ **اَلْمَلِكُ** (ترجمہ:۔ بادشاہ ہے) اپنے امر ونہی کے ذریعہ مخلوق پر متصرف ہے۔ **الْقُدُّوْسُ** (ترجمہ:۔یکسر پاک ہے) یہ اسماء جلالیہ میں سے ہے سیبویہ اسے قدوس سبوح دونوں کے اول پر زبر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ابو حاتم نے یعقوب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کسائی کے پاس ایک فصیح اعرابی کو کہتے سنا قدوس کو ''ق'' پر زبر کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔اور ثعلب نے کہا کہ تمام اسم فعول کے وزن پر مفتوح بالفاء ہوتے ہیں' سوائے سبوح اور قدوس کے۔ان دونوں میں ضم (پیش) زیادہ آتا ہے کبھی کبھی زبر بھی لگتا ہے۔اس کے معنی ہیں کہ وہ ہر عیب ونقص سے پاک ہے اور کہا جاتا ہے کہ مبارک ہے اور یہ قول قتادہ کا ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ یہ نزاہت میں بلیغ ہے۔

السَّلٰمُ (ترجمہ:۔سالم ہے) یعنی سلامتی والا ہے۔مومن اس کی وجہ سے عذاب نار سے بچتا ہے۔ **الْمُؤْمِنُ** (ترجمہ:۔امن دینے والا ہے) وہی تصدیق وایقان عطا کرنے والا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے بندوں کو امن عطا کرنے والا ہے۔مجاہد نے کہا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو عذاب نار سے تنہا کرلیا ہے۔ **شهد الله انه لا اله الاهو** (آل عمران ۱۸) کے قول کے ذریعہ اور ابوجعفر نے مومن کو فتح (زبر) کے ساتھ حذف کی وجہ سے پڑھا ہے۔یعنی "**المو من به**" اور اس کے معنی اس وقت تک سیدھا نہیں ہوسکتے جب تک اس سے مخلوق مراد نہ لی جائے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی امن نہیں دے سکتا۔اور یہی رائے ابوحاتم کی ہے اور کہا ہے کہ یہ قراءت جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ خائف تھا پھر دوسرے نے اسے امن عطا فرمایا ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ یہ اس وقت ہوگا جب مطلقاً اعتبار کیا جائے گا۔لیکن المومن بہ اعتبار کیا جائے گا تو اس سے یہ بات لازم نہیں آئے گی کیونکہ اس تقدیر پر مومن اللہ کے علاوہ کوئی اور ہی ہوگا۔ایمان جب توحید کے معنوں میں ہو جیسا کہ مجاہد کا نظریہ ہے تو **المو من** کے معنی اسے اسم فاعل کے وزن پر مصدق بن جائے گا۔اور مومن کے معنی مفعول کے وزن پر مصدق ہوجائیں گے۔اور اس تقدیر پر اللہ ان دونوں اعتبار کے حوالہ سے مصدق بھی ہوگا اور مصدق ان دونوں اعتبارات کے حوالہ سے عالم بھی ہے معلوم بھی ہے اور اس میں کوئی اشکال بھی نہیں۔ **الْمُهَيْمِنُ** (ترجمہ:۔نگہبانی کرنے والا ہے) کہا جاتا ہے اس کے معنی شاہد ہے اور وہ جس نے دوسرے کو خوف سے بچایا۔اور اس کا اصل اَ أمن **فهو مؤ آمن** بھی دوھمزوں کے ساتھ۔دوسرا ھمزہ "یا سے بدل گیا۔دونوں کے اجتماع کی کراہت کی وجہ سے۔پس **مویمن** ہوگیا پھر "یاء" "ھا" ہوگیا جیسا اراق وہراق میں ہے۔بعض نے کہا کہ یہ بمعنی موتمن ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں امین البتہ اور عباس بن عبدالمطلب کے قول کے مطابق جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کی مدح بیان کرتے ہیں۔

حتی احتوی بیتک المهیمن من خندف علیاء تحتها النطق

قتیبی نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں **حتی احتویت یا مهیمن من خندف علیا** اس سے اس کی مراد نبی پاک ﷺ کی ذات ہے اس لئے وہ لفظ بیت کو ان کی ذات کے قائم مقام لایا ہے کیونکہ بیت جب اس مکان کو شامل ہوگا تو مکان والے کو شامل ہوگا۔وہ ازہری نے کہا ہے کہ بیت سے مراد حضور کا شرف ہے۔اور **مهیمن** کا لفظ حضور کی نعت کا لفظ ہے گویا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے آپ کا شرف جو آپ کی فضیلت کا شاہد ہے ان کے نسب میں سے سب سے اونچے نسب' بلند شرف والوں کو بھی گھیرے ہوئے ہے۔وہ بلند نسب والے کہ "نطق" بھی ان کے نیچے ہے وہ بلند پہاڑوں کا وسط ہے اس نے خندف کو آپ ﷺ کا نطق بنایا ہے۔ابن انباری کہتا ہے کہ **مهیمن** کے معنی ہیں **القائم علی خلقه** اور کہا (شعر)

الا انّ خیر الناس بعد نبیه مهیمنه التالیه فی العرف والنکر

اس کے معنی ہیں کہ وہ اس کے بعد لوگوں پر قائم ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں القائم باموری خلقہ اور اس نے کہا ہے

کہ اس کے معنی میں پانچ اقوال ہیں۔ابن عباسؓ نے فرمایا الموتمن۔کسائی نے کہا الشھید اور کسی اور نے کہا الرقیب کہا جاتا ہے هیمن یهیمن هیمینه جب وہ کسی شئی کا رقیب (نگران) ہو۔ابو معشر نے کہا مھیمنا علیه معنی ہیں کسی کی حاجت روائی کے لئے انتظام کرنا۔قائما علی الکتب بھی اس کے معنی بتائے گئے ہیں۔اوران میں سب سے اولی قول اس کے معنی میں یہ ہے کہ جس نے کہا کہ اسکی اصل اأمن فھو مؤامن اور ھمزہ کو ہاء سے بدل دیا گیا جبکہ اراق' ہراق میں ہے۔ **اَلْعَزِیْزُ** (ترجمہ:۔غالب ہے) یعنی قوی زبردست کہا جاتا ہے قاہر۔ **اَلْجَبَّارُ** (ترجمہ:۔زورآور ہے) زجاج نے کہا وہ ہے جو اپنی مخلوق سے جو چاہے کرالے۔اور فراء نے کہا وہ ہستی جو کسی کو کسی کام پر مجبور کردے یعنی اسے مغلوب کردے اور اس نے کہا کہ میں نے اجبر سے جبار اور ادرک سے دراک کے علاوہ اسم تفضیل کا صیغۂ فعّال کے وزن پر کوئی نہیں سنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جبار کے معنی ہیں ''قہار'' یعنی وہ غالب جس کی کوئی شئے ہم پلہ نہ ہو۔اور اس سے کوئی چیز ملحق نہ ہو۔اسی سے نخلة جبارة کہا جاتا ہے جب کہ اس کے ساتھ کوئی اور مساوی نہ ہو۔ابن الانباری نے کہا ہے کہ جبار اللہ ہی ہے جو امر و نہی میں جیسا بھی ارادہ فرماتا ہے اس پر مخلوق کو مجبور کردیتا ہے۔ **اَلْمُتَكَبِّرُ** (ترجمہ:۔صاحب کبریا ہے) ابن الانبار نے کہا اس کے معنی ہیں ذوالکبریاء اور تکبر کی اصل امتناع ہے اور وہ اللہ کے بارے میں مدح ہے۔کیونکہ ہر حال میں علو اسی کے لئے ہے۔ابن اثیر نے کہا وہ عظیم کبریائی والا ہے۔اور کہا جاتا ہے یہ کمال ذات اور کمال وجود سے عبارت ہے۔اور سوائے اللہ کے کوئی اس صفت کا حامل نہیں۔ **سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ** (ترجمہ:۔اللہ پاک ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھیراتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ منزہ ہے اس کی ذات وصفات کی طرف منسوب کی جانے والی ہر شئے سے۔

(۲۴) **هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ** (ترجمہ: وہ اللہ ہے خالق ہے) خلق کا اصل ہے تقدیر یہاں اس سے مراد کسی شئی کا عدم سے بغیر کسی مادہ اور مثال کے وجود میں لانے کا آغاز کرنا ہے۔ **الْبَارِئُ** (ترجمہ:۔پیدا کرنے والا ہے) وہ پیدا کرنیوالا ہے اشیاء اور اعیان کا۔ **الْمُصَوِّرُ** (ترجمہ:۔صورت گر ہے) وہ صورتوں کو مختلف ہیئتوں پر بنانے والا ہے۔حاتم بن ابی بلتعہ نے اسے المصور پڑھا ''واؤ'' اور ''را'' پر زبر کے ساتھ البارى کے مفعول بہ کے طور پر یعنی الذی براء المصور یعنی میزہ (اسی کو ممیّز کردیا۔ **لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** (ترجمہ:۔اسی کے لئے سارے اچھے نام ہیں) یہ پانچ معنی پر دلالت کرتا ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے لہذا ہم اسے نہیں دہرائیں گے **یُسَبِّحُ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (ترجمہ:۔اس کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں ہیں) زبان حال سے اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ **وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ** (ترجمہ:۔وہ غالب وحکمت والا ہے) یعنی ہر معاملے میں غالب وحکیم ہے۔